بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

گذشتہ ماہ کے ترجمان القرآن کے اشارات پڑھ کر بعض احباب نے جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اُن میں تشنگی محسوس کرتے ہیں اور اسی ضمن میں بعض پہلوؤں کی مزید صراحت چاہتے ہیں۔ کیونکہ فاضل قارئین اس قسم کے تاثرات کا اکثر اظہار کرتے رہتے ہیں اس لیے ہم اُن کی خدمت میں یہ گذارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ "اشارات" کی حیثیت محض اشارات کی ہوتی ہے۔ ان میں کسی موضوع پر جامع تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔ اشارات کا مقصد ہمارے نزدیک صرف یہ ہے کہ لوگوں کے اندر غور و فکر کی تحریک پیدا ہو تاکہ وہ اُمتِ مسلمہ کے حال اور مستقبل کے بارے میں تعمیری انداز سے سوچ سکیں اور اُن کے اندر اس کی اصلاح کا جذبہ اور عزم کارفرما ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اشارات میں صرف چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ اُمت کے سنجیدہ افراد اُن کی طرف توجہ فرما کر اُمت میں اُٹھنے والے فتنوں کا سدِباب کر سکیں۔

یہ بات مسلمانوں کے ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ فتنہ اپنا ایک رُخ نہیں رکھتا بلکہ اَن گنت پہلوؤں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے اور لاتعداد گوشوں سے حملہ کرتا ہے اس لیے جب تک ہم ان کی نوعیتوں کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے اس وقت تک ہم اس کے خلاف اُبھرنے والے کسی فتنہ کا مقابلہ کامیابی سے نہیں کر سکتے۔ چونکہ کفر خواہ ہزار روپ دھار کر آئے اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ اس لیے اس کے اُٹھائے ہوئے فتنے خواہ تعداد میں لاکھوں اور کروڑوں ہی کیوں نہ ہوں لیکن اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً سرمایہ داری اور اشتراکیت میں بظاہر بڑا فرق محسوس ہوتا ہے اور یہ دو الگ فتنے دکھائی دیتے ہیں اور ممکن ہے کہ ان میں کوئی اختلاف بھی ہو لیکن جہاں تک اُمتِ مسلمہ کے خلاف ان کی یورشوں کا تعلق ہے اُن میں کوئی معمولی اختلاف نظر نہیں آتا۔ ان ابتدائی گذارشات

کے بعد ہم پچھلے ماہ کے اشارات کے چند تشنہ پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آپ اگر کفر کی یلغار کا جائزہ لیں تو آپ ایک چیز بڑی شدت کے ساتھ محسوس کریں گے کہ کفر کو جس قدر کد اور دشمنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دین میں ان کی مرکزی حیثیت سے ہے کسی دوسری چیز سے نہیں۔ خدا کے وجود کو تو بنی نوع انسان کی عظیم اکثریت کسی نہ کسی طور مانتی ہی ہے مگر اس کے وجود کے مجرد اقرار سے بندگی رب کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ خدا کا انسان سے اور دنیا کی ہر دوسری مخلوق سے تقاضا یہ ہے کہ وہ جس ذات کو اپنا خالق و مالک مانتی ہے اس کی بندگی بھی کرے کیونکہ شیوہ بندگی اختیار کرنے سے ہی اس کے وجود کے اقرار میں کوئی معنویت پیدا ہوتی ہے۔ پھر بندگی کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو نہایت ہی قابل اعتماد ذریعے سے یہ معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ کن باتوں کو پسند اور کن باتوں کو ناپسند کرتا ہے۔ کیونکہ خدا کی پسند اور ناپسند جانے بغیر اور پھر اس کے مطابق زندگی بسر کیے بغیر وہ اس کا بندہ نہیں بن سکتا۔ مغرب کے جدید و قدیم فلاسفہ کے خیالات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے ایسے افراد نہایت ہی قلیل تعداد میں پائے جاتے ہیں جنہیں منکر خدا کہا جا سکتا ہو، ان میں سے بیشتر اہل علم خدا کو ماننے والے ہیں لیکن جس چیز سے انہیں انکار ہے وہ یہ ہے خدا اپنی پسند اور ناپسند بھی رکھتا ہے اور جو لوگ اس کی پسند یہ راہ پر گامزن ہوں انہیں اپنی نعمتوں کا مستحق قرار دیتا ہے اور جو اس راہ کو چھوڑ کر گمراہی کا راستہ اختیار کریں انہیں سزا کا مستوجب ٹھہراتا ہے۔

اس صورت حال سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو خدا کے وجود کو ماننے کے باوجود خدا کی نگاہ میں اس کا انکار کرنے والے ہیں اور خالق کائنات قیامت کے دن ان سے اسی طرح معاملہ کرے گا جس طرح کہ خدا کے باغیوں سے کیا جاتا ہے۔ اس کی نظر میں اس کی ذات کا وہی اقرار کسی قدر و قیمت کا حامل ہے جس کے ساتھ اس کی پسند اور ناپسند کو ملحوظ خاطر رکھ کر یا دوسرے الفاظ میں اس کے عطا کردہ ضابطہ حیات کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ ظاہر بات ہے کہ ہمیں خدا کی یہ پسند و ناپسند کسی ہاتف غیب کے ذریعے تو معلوم نہیں ہوتی بلکہ وہ ایسے برگزیدہ انسانوں کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہے جنہیں خداوند تعالیٰ نے انبیاء اور رسل کا نام دیا ہے اور جن کے آخری مظہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور کی اس حیثیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک خدا کے منشا کو معلوم کرنے کا واحد قابل اعتماد ذریعہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات اقدس ہے۔ حضورؐ کی وساطت ہی سے ہمیں خدا کی ذات اور اس کی صفات کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے، اُنہی کے ذریعہ ہمیں اس کی پسند اور ناپسند کا پتہ چلتا ہے اور ان کی حیات طیبہ ہی سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پسند کے عین مطابق اور اُس کی ناپسند سے پوری طرح دامن بچا کر زندگی کس طرح بسر کی جا سکتی ہے۔

جو قوت بھی اسلام کے خلاف میدان عمل میں آتی ہے وہ اپنا پورا زور دین کے اندر حضورؐ کی اس مرکزی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے صرف کرتی ہے اور اس کے لیے عام طور پر تین محاذوں پر کام کیا جاتا ہے۔ ایک محاذ پر کام کرنے والے ہمیشہ اس بات کے کوشاں رہے ہیں اور اب بھی پوری طرح کوشاں ہیں کہ حضور سرور دو عالمؐ کی ارفع و اعلیٰ ذات اور اُن کی پاکیزہ سیرت کو معاذ اللہ داغدار کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ سیرت کی پاکیزگی یوں بھی انسان کا سب سے قیمتی جوہر ہے مگر مذہبی دائرے میں کسی انسان کی عظمت کا بہت زیادہ دارومدار اس کی پاکیزہ سیرت پر ہی ہوتا ہے۔ جس قدر کوئی شخص سیرت کے اعتبار سے پاکیزہ ہوگا اسی نسبت سے مذہبی دائرے میں اس کی برتری قائم ہوگی۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے صحیح اور برحق ہونے پر اللہ تعالیٰ نے جس قدر شواہد پیش کیے ہیں ان میں کتاب اور معجزات کے علاوہ ان کی سیرت کی بلندی بھی شامل ہے۔ حضورؐ چونکہ قافلۂ نبوت کے سالار ہیں اس لیے ان کی حیات طیبہ بھی پاکیزگی کا سب سے بہتر نمونہ پیش کرتی ہے اور اسلام کے دشمن اس پاکیزہ نمونے پر ہی سب سے زیادہ چھینٹے اڑاتے رہتے ہیں۔ کبھی حضورؐ کی عائلی زندگی پر زبانِ طعن دراز کی جاتی ہے اور کبھی کفر کی یلغار کو روکنے کے لیے حضورؐ نے جس انداز سے قوت کا استعمال کیا ہے اسے ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔ الغرض حضورؐ کے خلاف الزامات اور اتہامات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اسلام کے ان دشمنوں نے پوری قوت سے جاری کر رکھا ہے۔

یوں تو ایسا کوئی دور نہیں گزرا جس میں یہ ناپاک مہم جاری نہ رہی ہو لیکن اس نے صلیبی جنگوں کے خاتمہ سے لے کر بیسویں صدی کے وسط تک خوب زور پکڑا اور اس طویل عرصہ میں حضورؐ کی یکسر بے داغ زندگی میں کیڑے ڈالنے کی مذموم کوششیں ہوتی رہیں۔ اس سلسلہ میں مغرب کے متعصب پادریوں اور دوسرے اہل علم نے جو کچھ لکھا ہے اُسے اگر جمع کیا جائے تو یہ مواد لاکھوں سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن جب ہم اہل مغرب کی ان کاوشوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ اس محاذ پر انہیں اپنی بھرپور کوششوں کے

مقابلے میں بہت ہی کم کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس کی ایک نہایت معقول وجہ ہے۔ انسان کی فطرت میں حق و صداقت سے بڑی حد تک مناسبت رکھی گئی ہے اور اسے جب بھی حق کے خلاف کسی موقف کو اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے تو وقتی طور پر تو وہ اسے اختیار کر لیتا ہے لیکن جلد ہی اس موقف کو چھوڑ کر حق کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ چند انسانوں کو تو جھوٹے پراپیگنڈے کے ذریعہ کچھ مدت تک بیوقوف بنایا جا سکتا ہے لیکن تمام انسانوں کو طویل مدت تک حقیقت سے بے خبر نہیں رکھا جا سکتا۔ اہلِ مغرب نے اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اعتراضات کیے مسلمانوں نے اُن کے مُسکت جوابات دیے اور حقیقت حال جب کھل کر سامنے آئی تو مغرب کے پھیلائے ہوئے زہر کے اثرات بڑی تیزی سے زائل ہونے لگے اور اسلام کے دشمنوں کا یہ محاذ کافی کمزور پڑ گیا۔

اس محاذ پر پسپا ہونے کے بعد اسلام دشمن طاقتوں نے دوسرا محاذ یہ کھولا کہ حضورؐ کے مقابلے میں ایک جھوٹی نبوت کا فتنہ کھڑا کر دیا۔ حضورؐ پر چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لیے اُن کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویدار ہوگا وہ لازمی طور پر کاذب اور مفتری ہوگا اور اس طرح خدا کی ان عنایات سے یکسر محروم ہوگا جو کسی سچے نبی کو حاصل ہوتی ہیں بلکہ وہ خدا کی پھٹکار کا مستحق ہوگا۔ اس واضح تفاوت کی وجہ سے اس کے کلمات اس ادبیت اور حکمت سے عاری ہوں گے جن سے کسی سچے نبی کا کلام مزین ہوتا ہے، اس کے فیصلوں میں نورِ نبوت کی کوئی جھلک دکھائی نہ دے گی اور اس کی سیرت پاکیزگی کی ان ساری صفات سے تہی دامن ہوگی جن سے کسی سچے نبی کی سیرت منور ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے دل میں نبوت کا جو نہایت ارفع و اعلیٰ تصور موجود ہے اور جس کی وجہ سے وہ نبی کی محبت کو زندگی کی سب سے قیمتی متاع اور اس کی پیروی کو دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی کامرانی خیال کرتے ہیں، اسے دھچکا لگے گا۔ خانہ ساز نبوتوں کے جب نہایت ہی پست نمونے دُنیا کے سامنے آئیں گے تو لوگوں کے دلوں سے مقامِ نبوت کی غیر معمولی رفعت اور بلندی کا احساس ختم ہوگا اور وہ اس نہج پہ سوچنا شروع کر دیں گے کہ یہ نبوت و رسالت وغیرہ خداوند تعالیٰ کے کوئی خاص عطیات نہیں بلکہ بعض افراد اپنے ذاتی خیالات و تصورات کو کسی زعم باطل میں گرفتار ہو کر الہامات کہنا شروع کر دیتے ہیں اور اُن کے اندر وزن پیدا کرنے کی غرض سے یہ دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ انہیں یہ خیالات خدا کی طرف سے القا ہوئے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۵۳ء میں منیر انکوائری کے موقع پر اس کمیٹی کے سامنے کئی ایسے مجذوب پیش ہوئے یا پیش کیے گئے

جو اس بات کے دعویدار تھے کہ خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس غیر سنجیدہ کارروائی کا مقصد کیا تھا لیکن حاضرین میں مذہب سے وابستگی رکھنے والے سارے حضرات کا خیال یہی تھا کہ اس قسم کی کارروائی سے مقام نبوت کی توہین ہو رہی ہے اور ان حاضرین میں سے بے دین عناصر ان سرپھرے افراد کی باتیں سُن کر ایک طرف تو خندہ زن ہوتے اور دوسری طرف ان کی آڑ لے کر مقام نبوت پر اظہار خیال کرتے۔ نبوت ایک نہایت ہی ارفع و اعلیٰ مقام ہے اور جب اس مقام پر کوئی غیر نبی فائز ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ لازمی طور پر اس مقام کی رفعت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کا موجب بنتا ہے۔

اسلام دشمن طاقتوں نے جھوٹی نبوت کو قوت بہم پہنچانے میں اپنا پورا زور صرف کیا ہے کیونکہ انھیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ مسلمانوں کی جس قدر تعداد اپنے اصل مرکزِ محبت و عقیدت سے سرک کر کسی دوسرے مرکز کی طرف منتقل ہوگی اسی نسبت سے اسلام مضمحل اور کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبی ماننے کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ جو کچھ وہ کہے اسے فرمانِ الٰہی مان کر من و عن تسلیم کیا جائے اور اس کی پیروی کو ہی دنیوی فلاح اور اخروی نجات کا ذریعہ مانا جائے۔ الغرض اس کے افکار و اعمال کو حق و باطل کے پرکھنے کا واحد معیار قرار دے کر زندگی کا پورا نقشہ اس کی تعلیمات کے مطابق ازسرِنو ترتیب دیا جائے۔ اللہ کے دین کے دشمن اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اگر وہ ایک مرتبہ مسلمانوں کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری وابستگی ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر اسلام کا دُنیا میں کوئی وجود باقی نہ رہے گا۔ دین میں حضورؐ کی مرکزی حیثیت تسلیم کرنے کی وجہ ہی سے مسلمان فکر و عمل میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں اور اگر وہ اس مرکز سے ہٹ کر دوسرے مرکز کی طرف رجوع کرنے لگیں تو پھر انہیں اس دُنیا سے نیست و نابود ہونے سے کوئی دوسری قوت بچا نہیں سکتی۔

جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچانا مغربی استعمار کی ایک بنیادی ضرورت بھی تھی۔ ایک مسلمان کے دل میں جس طرح خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت بالکل فطری طور پر راسخ ہوتی ہے بالکل اسی طرح اس کے ذہن میں طاغوت سے نفرت بھی پائی جاتی ہے۔ ممکن ہے ہر مسلمان طاغوت کی کوئی جامع تعریف نہ کر سکے لیکن اتنی بات تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ وہ ہر فرد، ادارہ، تحریک یا

ہیئت حاکمہ جو کسی مسلمان کو اللہ کے دین سے جزوی یا کلی طور پر برگشتہ کر کے کسی دوسرے دین کی پیروی پر آمادہ کرتے وہ طاغوت کے زمرے میں داخل ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی محبت اور طاغوت سے غیر معمولی نفرت کا نتیجہ ہے کہ مسلمان ہر دور میں طاغوت کے خلاف پوری قوت سے صف آرا رہے ہیں اور اگر کبھی اس کا تسلط قائم بھی ہوا تو اسے ختم کرنے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔ یہ طاغوت سے اس نفرت کا کرشمہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کے اندر ہمیشہ یہ چبھتا ہوا احساس موجود رہا ہے کہ ان کی اجتماعی زندگی کا نقشہ اس مثالی نقشے کے مطابق نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا ہے۔ اسی خلش نے مسلمانوں کو ایک زندہ آرزو کے ساتھ زندہ رہنے کا ایک ناقابلِ تسخیر عزم بخشا ہے جس کے طفیل اس نے تاریخ کے نہایت ہی المناک ادوار میں اور سخت بے سروسامانی کے عالم میں باطل کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا ہے۔ دور نہ جایئے خود اس برصغیر میں مسلمانوں نے طاغوت کی یلغار کو روکنے کے لیے جو بے مثال قربانیاں دی ہیں صرف ان پر ایک نظر ڈالیے تو آپ کو مسلم قوم کے معاملے میں اس "پاکیزہ خلش" کی غیر معمولی اہمیت کا اچھی طرح اندازہ ہو سکے گا۔ جلال الدین اکبر کی سطوت و جلالت کے باوجود اہلِ حق نے جس طرح اُسے غیر اسلامی سرگرمیوں سے روکا اور اس کے نتیجے میں جو مصائب و شدائد برداشت کیے، جہانگیر کے سامنے جس جرأت کے ساتھ کلمۂ حق بلند کر کے پابند سلاسل ہونا گوارا کیا اور انگریز جیسی ظالم اور سفاک قوم کے خلاف جس بہادری کے ساتھ بالاکوٹ میں جامِ شہادت نوش کیا، وہ سب اسی خلش کے مختلف مظاہر تھے۔ اسلام دشمن طاقتوں نے اس خلش کی اثر آفرینی کا اچھی طرح اندازہ کر کے اسے دور کرنے کی جو مختلف تدابیر اختیار کیں۔ ان میں ایک مؤثر تدبیر ایک نئی نبوت کا اجرا بھی تھا۔ مسلمان انگریز کی عملداری کو طاغوت کی عملداری سے تعبیر کر کے اس کے خلاف جدوجہد کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ ان کا تجویز کردہ نظامِ حیات مسلمانوں کے نزدیک ایک طاغوتی نظام تھا کیونکہ وہ اس ضابطۂ حیات سے مغائرت رکھتا تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان تک پہنچا تھا۔ اس بنا پر اس نظام کی بیخ کنی ان کے ایمان کا تقاضا تھا۔ انگریز نے پہلے تو اپنی عملداری کے حق میں اور پھر اپنے لائے ہوئے نظامِ حیات کے حق میں محض اس خیال سے بعض علماء اور سجادہ نشینوں سے فتوے حاصل کرنے کی کوشش کی کہ ان کے فتووں ہی سے حالات کا رُخ بدل جائے گا اور مسلمانوں کے ذہنوں میں جو یہ خیال سمایا ہوا ہے کہ ہر وہ نظام جو اسلام کی سند ہے وہ طاغوت ہے، نکل جائے گا اور اس طرح انگریز کے حق میں فضا کسی دشواری کے بغیر سازگار ہو جائے گی۔ لیکن اس نے جب یہ محسوس کیا کہ علماء سوء اور دنیا پرست

پیروں کے ان فتووں سے اُسے فائدہ حاصل ہونے کے بجائے نقصان پہنچ رہا ہے تو پھر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کے معتقدات، ان کے فکر و نظر کے زاویوں اور محبت و عقیدت کے مرکز و محور کو کسی غیر نبی کی وساطت سے بدلنا ناممکن ہے۔ یہ وسیع تبدیلی نبوت کے ذریعے ہی لائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اُس نے اس ضرورت کے پیش نظر اپنے زلہ خوار جسے فرنگ کی غلامی پر ناز تھا، اس کام کے لیے تیار کیا۔ آپ اگر ولیم ہنٹر کی مشہور کتاب "ہندوستانی مسلمان" کا مطالعہ کریں تو آپ اس کے بین السطور میں انگریز کی اس ضرورت کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ فاضل مصنف کا وہ باب جس میں اس نے مسلمان فقہا کے فتووں پر بحث کی ہے اس سلسلے میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے علماء سو کے فتووں کے منطقی مغالطوں کی نشاندہی کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ فتوے اگرچہ ہمارے حق میں دیئے گئے تھے مگر اس بنا پر انگریزی حکومت کے لیے کوئی زیادہ مؤثر ثابت نہ ہو سکے کیونکہ ان میں تضاد پایا جاتا تھا اور ان کے صادر کرنے والے مسلم معاشرے میں قابل اعتماد اہل بصیرت کی حیثیت سے متعارف نہ تھے۔ ایک مقام پر وہ ان فتووں کے تضاد کا ذکر اس انداز سے کرتا ہے۔

"اگر ہندوستان دارالاسلام ہی ہے جیسے کہ بعض علماء لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر راسخ العقیدہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت کو لازمی طور پر انگریز کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہندوستان اگر قانونی اعتبار سے دارالاسلام ہے تو اس ملک کو حقیقت میں دارالاسلام بنانے کے لیے مسلمان رعایا بغاوت کرنے پر مجبور ہے۔ فقہ اسلامی کی ساری کتب میں یہ فتویٰ درج ہے اگر کوئی کافر دارالاسلام پر حملہ آور ہو یا اس کے کسی ایک حصہ پر قابض ہو جائے تو ان حالات میں ہر مسلمان مرد، عورت اور بچے پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ کافر حکمران کی عملداری کا خاتمہ کرنے کے لیے پوری طرح جدوجہد کرے..... قرآن مسلمان کو ایک فاتح کی حیثیت سے پیش کرتا ہے غلام کی حیثیت سے پیش نہیں کرتا۔ اس لیے مسلم قوم سے پُرخلوص وفاداری کی توقع رکھنا عبث اور بیکار ہے۔"

ہنٹر اپنی اس کتاب میں اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو انگریزی تعلیم حاصل کر رہا ہے وہ آہستہ آہستہ حکومت کا طرفدار بنتا جا رہا ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسلم قوم کے صالح عناصر ہمارے مخالف ہی ہیں۔ ان عناصر کو انگریز کا ہمنوا بنانے کے لیے وہ تدبیر اختیار کی گئی جس کا ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے کہ ایک شخص کو نبوت کے مقام پر فائز کر کے طاغوت کے بارے میں مسلمانوں کے احساسات و جذبات (باقی بر صفحہ ۴۵)